خود پسندی کی ہلاکت خیزیاں

جناب پروفیسر محمد سلیم صاحب

بساطِ عالم کی نیرنگیاں تو عجیب ہیں ہی۔ بساطِ انسانی کی بوقلمونیاں بھی کچھ کم عجیب نہیں ہیں۔ یہاں بھی حیرت انگیز واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ کیا یہ عجب سانحہ نہیں ہے کہ کل تک جو مردانِ راہ دشمنوں کے طعن و تشنیع سنتے رہے اور بددل نہیں ہوئے۔ قید و بند کی مصیبتوں کے بعد بھی جن کی خندہ جبینی میں فرق نہیں آیا۔ مظالم کا نشانہ بنے مگر پائے استقامت میں لغزش نہیں آئی۔ وہ مردانِ راہ شیطان کے نفسیاتی حربے سے مات کھا گئے۔ پھر راہِ صواب سے اس حد تک برگشتہ ہو گئے کہ جن ہاتھوں نے سخت مشقت اور جاں فشانی دکھا کر ایک عمارت کو کھڑا کیا تھا۔ اب وہ اس کے ڈھانے کے درپے ہو گئے۔ جن مقاصد کو فروغ دینے کے لئے انہوں نے دن رات ایک کر دیا تھا، اب وہ ان کے خلاف منفی تحریک چلا رہے ہیں۔ جن اشخاص کی مدح و توصیف میں مدام رطب اللسان رہتے تھے، اب ان کی تنقیص و تحقیر میں ان کی زبان تیزی سے چلتی رہتی ہے۔ اس سے بڑھ کر شیطان کی کامیابی اور کیا ہو سکتی ہے کہ جو کام دشمن کرتا وہ یہ دوست کر رہے ہیں۔ خود پسندی کی ہلاکت خیزیاں! خدا کی پناہ۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

انسان کے نفس کو جو باطنی امراض لاحق ہوتے ہیں۔ انہیں سے ایک مزمن مرض خود پسندی اور خود ستائی ہے۔ جس شخص کو یہ مرض لاحق ہو جاتا ہے اس کو ناکارہ بنا دیتا ہے جس مجلس اور انجمن میں یہ مریض شرکت کرتا ہے وہ انجمن اختلاف اور انتشار کی نذر ہو جاتی ہے۔ ایسی انجمنوں کی کارکردگی صفر رہ جاتی ہے۔ افراد کو اور انجمنوں کو ناکام اور ناکارہ بنانے اور فساد کی راہ پر

ڈالنے میں شیطان کا یہ بڑا کامیاب حربہ ہے۔ اس طریقہ سے شیطان گربۂ مسکین کو نہیں بلکہ شیرِ نر کو شکار کرتا ہے۔

خودی خود اعتمادی ہے، خودپسندی یا انانیت نہیں ہے۔ خودی کا مفہوم ہے "میں ہوں"۔ انانیت کا مفہوم ہے "میں برتر ہوں"، "میں سب کچھ ہوں"۔ ایک اثباتی اندازِ بیان ہے، دوسرا ادعائی طرزِ کلام ہے۔ ایک صحت مند ذہن کی علامت ہے، دوسرا بیمار ذہن کی عکاسی کرتا ہے۔ ایک آدم کی صفت ہے، دوسرا شیطان کا ورثہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں اور شیطان کو حکم دیا تھا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ فرشتوں نے تو تعمیلِ حکم میں سجدہ کر لیا، مگر شیطان نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے کہا میں اس سے برتر ہوں۔ میری پیدائش آگ سے ہوئی ہے اور آدم مٹی سے بنا ہے۔ شیطان کا یہ طرزِ عمل انانیت اور خودپسندی کی مکمل تصویر ہے۔ انانیت کا اظہارِ اول بڑے سادہ اور معصوم انداز میں ہوتا ہے۔ سب سے پہلے اختلافِ رائے کا اظہار کیا جاتا ہے۔ پھر اختلافِ رائے کے اظہار پر اصرار شروع ہو جاتا ہے۔ ہر جذبہ کی طرح یہ جذبہ بھی کسی ایک مقام پر قرار نہیں پاتا، بلکہ مزید ترقی کرتا رہتا ہے۔ مختلف شکلوں اور مرحلوں سے گزرتا رہتا ہے، خودرائی، خودستائی، خودپسندی، بدبینی، بدگوئی سے ترقی کرتے کرتے بالآخر خودپرستی اور انانیت تک جا پہنچتا ہے۔

اس خودپسندی کا پہلا مرحلہ یہ ہے کہ انسان اپنی بات کو اور اپنی رائے کو افضل اور برتر سمجھنا شروع کر دیتا ہے۔ اختلافِ رائے بذاتِ خود کوئی بری شے نہیں ہے۔ یہ بھی فطری امر ہے کہ جب کوئی شخص ایک رائے پیش کرتا ہے تو اس کو بہتر ہی سمجھ کر پیش کرتا ہے۔ یہاں تک کوئی خرابی نہیں۔ جس انداز سے اور جس ذہنیت سے اختلاف کیا جاتا ہے اس پر اچھائی یا برائی کا دارومدار ہے۔ خودپسند آدمی کی گفتگو کے پس پردہ ذہن میں جھانک کر دیکھا جائے تو یہ بات صاف محسوس ہوتی ہے کہ وہ خود کو دوسروں سے افضل اور اعلیٰ سمجھتا ہے۔ ممکن ہے ابتدا میں خود صاحبِ موصوف کو اپنی ذہنیت کے رخ کا واضح ادراک نہ ہو، لیکن بتدریج سامعین پر حقیقت عریاں ہو جاتی ہے۔ خرابی کا آغاز یہاں سے ...... ہوتا ہے۔ اسلام کی راہ سے انحراف یہاں سے شروع ہوتا ہے۔ اسلام کی تعلیم تو یہ ہے کہ بندگی اور برتری ساری اللہ تعالیٰ کو سزاوار ہے۔ خاکی اور حقیر انسان

کو بڑائی اور بزرگی کی بات کرنا ..... اور وہ بھی اپنے لئے ..... زیب نہیں دیتا۔ انسان کے مناسب حال بات تو یہ ہے کہ وہ ہر حال میں اپنے عجز و انکسار کا اظہار کرتا رہے۔

۲۔ دوسرے مرحلہ میں داخل ہونے کے بعد ایک خود پسند آدمی صرف اظہارِ برتری پر ہی قناعت نہیں کرتا ہے، بلکہ اپنے دعویٰ کے حق میں عقلی دلائل دینا شروع کر دیتا ہے۔ جیسا کہ شیطان نے اپنی بڑائی کے حق میں دلیل دی تھی کہ میری تخلیق آتشین اور آدم کی تخلیق خاکی ہے۔ فی الحقیقت اس دلیل میں کوئی وزن نہیں ہے۔ یہ ایک وہمی سی بات ہے۔ آگ ہو، مٹی ہو یا کوئی اور عنصر ہو، سب اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہیں۔ مخلوق ہونے کے اعتبار سے سب برابر ہیں۔ ان کے درمیان بڑائی اور چھوٹائی کی کوئی وجہ معقول نہیں ہے۔ یہی حال اکثر ان دلائل کا ہوتا ہے جو انانیت پسند لوگ دیتے ہیں۔ یہ خود تراشیدہ دلائل کسی مغالطہ یا واہمہ پر مبنی ہوتے ہیں۔ عقل کے میزان میں بے وزن اور منطق کی کسوٹی پر یہ کھوٹے ثابت ہوتے ہیں۔ مگر خود پسند آدمی کے ذہن کا تانا بانا عقل و منطق کے ٹھوس حقائق کی بجائے مغالطوں اور خوش فہمیوں کے تارِ عنکبوت سے بنا ہوا ہوتا ہے۔ جس میں رہنے والی مکڑی خود کو ایک مضبوط قلعہ میں محفوظ سمجھتی ہے۔

۳۔ خود پسند اپنا قد آور ہونا ثابت کرنے کے لئے ضرورت محسوس کرتا ہے کہ اپنے حریفوں کو پستہ قد ثابت کر دے تاکہ اس کی عظمت ظاہر ہو جائے اس لئے خود کو حسین و جمیل ثابت کرنے کے لئے دوسروں کو زشت و قبیح ثابت کرتا ہے۔ خود کو حکیم و دانا ثابت کرنے کے لئے دوسروں کو نادان و سفیہہ ثابت کرتا ہے۔ خود ستائی اور خود بینی کا لازمی تکملہ دوسروں کی نکتہ چینی اور عیب بینی ہوتا ہے۔ اس مہم میں بسا اوقات وہ اس قدر اندھا ہو جاتا ہے کہ یہ بھی نہیں دیکھتا کہ عیبوں کی جو گٹھڑی اس نے چنی ہے وہ عیب ہیں بھی یا نہیں۔ کوئی غلط فہمی تو نہیں ہے۔ کوئی نادانستہ اتفاقی لغزش تو نہیں ہے۔ ایسی لغزشوں سے کس کا دامن پاک ہے۔؟ بہرکیف خود پسندی آدمی کو مجبور کرتی ہے کہ وہ اپنی ستائش اور دوسروں کی تحقیر و تذلیل میں لگا رہے۔ انسان برائی کے ذکر سے طبعاً خوش نہیں ہوتا۔ اس کے سامنے جب بار بار ایک شخص کی تحقیر و تنقیص بیان کی جاتی ہے تو بعض اوقات اس کا ردِ عمل شروع ہو جاتا ہے۔ خود پسندی کا مضر جذبہ منفی اثرات دکھانا شروع کر دیتا ہے۔ خود پسند آدمی جتنا اس مشغلہ میں غلو دکھاتا ہے۔ اتنا ہی لوگ اسے بدبخت ہیں۔ جو لوگ

ابتدا میں اس سے حسن ظن قائم رکھتے تھے۔ وہ بھی یہ رویہ دیکھ کر اپنی رائے بدلنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

۴۔ خود پسند آدمی جب دیکھتا ہے کہ اس کی جدوجہد کے ثمرات ظاہر نہیں ہوئے، اس کی توقعات کے مطابق اس کے حریف کے خلاف مخالفت کا طوفان برپا نہیں ہوا۔ بلکہ اس کے ہم خیال افراد کی تعداد بھی گھٹنا شروع ہو رہی ہے تو طیش اور ناکامی سے ملی جلی کیفیت..... جھنجھلاہٹ اس پر مستولی ہو جاتی ہے۔ یہ بات تو وہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ میری رائے غلط ہو سکتی ہے، یا میرے دلائل بے وزن ہو سکتے ہیں، یا میرا اندازِ بیان مؤثر نہیں ہے۔ وہ سارا غصہ دوسروں پر نکالتا ہے۔ وہ سب غیر جانب دار لوگوں کو بھی اپنے حریف کا طرف دار شمار کر لیتا ہے۔ اس سے اس کا غصہ اور بڑھ جاتا ہے۔ غصہ اس کی مزاجی کیفیت بن جاتی ہے۔ اس کا مزاج چڑچڑا ہو جاتا ہے۔ اپنوں سے اور پرایوں سے ذرا ذرا سی بات پر وہ الجھتا رہتا ہے۔ غصہ میں چہرہ سرخ ہونا تو خیر معمولی بات ہے بعض دفعہ تو منہ میں جھاگ آ جاتے ہیں۔ بعض لوگوں کو تفریح کا مشغلہ مل جاتا ہے وہ خواہ مخواہ اس کو چھیڑتے ہیں اور پھر جو خرافات وہ بکتا ہے اس سے لطف لیتے ہیں۔

۵۔ اب وہ شخص انانیت کی آخری حدوں کو چھو لیتا ہے۔ غصہ اور جھنجھلاہٹ کی دائمی کیفیت طاری رہنے کی وجہ سے عقل و ہوش کنارہ کر جاتے ہیں۔ اکثر بے عقلی کی باتیں کرتا رہتا ہے۔ جس قدر ناکامی کا احساس ہوتا ہے اسی قدر طاقت سے وہ اپنے حریف پر حملہ آور ہوتا ہے۔ وہ اس کا قلع قمع کر دینا چاہتا ہے۔ اس کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دینا چاہتا ہے۔ ہر حربہ استعمال کرتا ہے۔ ہر چال چلتا ہے۔ ہر زبان استعمال کرتا ہے۔ یہی وہ مرحلہ ہے جہاں شیطان نے کہا تھا کہ "آدم کو اور اس کی اولاد کو گمراہ کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھوں گا۔"

اب ذرا اس سارے ڈرامے پر ایک نظرِ بازگشت ڈالیے۔ بات چلی تو تھی اختلافِ رائے سے اور پہنچی حریف کا قلع قمع کرنے تک۔ اختلافِ رائے میں اثباتِ حق اور خیر خواہی ضروری اور یہاں جذبۂ انتقام نے استیصالِ کُلّی تک پہنچا دیا۔ یہ وہ مقام ہے جس کو استعارہ کی زبان میں قرآن مجید نے اس طرح بیان کیا ہے کہ ایسا انسان اس بڑھیا عورت کی مانند ہے جس نے بڑی محنت سے سوت کاتا پھر خود ہی اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ اپنے کیے دھرے کو خود ہی تہس نہس کر ڈالا۔ خود پسندی

کی ہلاکت خیزیاں! خدا کی پناہ۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

بعض لوگ دریافت کرتے ہیں کہ اس مرضِ انانیت کا کوئی علاج ہے بھی یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے تو کسی حال میں مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ اس کی رحمت جب چاہے دست گیری کر سکتی ہے۔ بہر کیف یہ مرض عسیر العلاج ضرور ہے۔ اس کا علاج ہے بہت مشکل۔ نہ بحث مباحثہ سے کوئی فائدہ ہوتا ہے، نہ عقلی دلائل سے کچھ کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ البتہ معالج ایسے شخص کو تلاش کرنا چاہیئے جس کا حسنِ ظن مریض کے دل میں باقی ہو۔ وہ معالج بار بار اپنی محبت کا اظہار کرے اور صبر و حکمت سے چند امور ذہن نشین کرائے۔

سب سے پہلے اس بات پر مریض کا یقین تازہ ہونا چاہیئے کہ دنیا کا سارا کارخانہ اور انسانوں کے تمام معاملات اللہ تعالیٰ کے احاطۂ علم میں ہیں۔ اس کے علم کے بغیر ایک پتہ بھی حرکت نہیں کرتا ہے۔ یہاں جو کچھ ہو رہا ہے، اس سے وہ ہرگز بے خبر نہیں ہے۔ اس عظیم الشان کائناتی منصوبہ کی بے حد و حساب وسعت و پہنائی میں انسان کا وجود لمحہ دو لمحہ سے زائد نہیں ہے۔ اس محیر العقول منصوبہ کے سامنے انسانِ بے چارہ کی کیا بساط ہے۔ کسی ایک فرد کے کسی فعل یا قول یا رائے سے اس منصوبہ کی کامیابی یا ناکامی پر کیا اثر پڑ سکتا ہے۔ انسان کی ہستی ہی کیا ہے۔ ہاں البتہ ہم شرعاً جن امور کے مکلف ہیں۔ ان میں سے یہ بات ہے کہ ہر فرد حق کہے، حق کو قبول کرے۔ یہ فرض ضرور انجام دیتے رہنا چاہیئے۔ ورنہ درحقیقت سب کچھ اس کا فضل ہی فضل ہے۔ اس لیے اپنی بات یا اپنے عمل پر انحصار کرنے کی بجائے اس کے فضل کا امیدوار رہنا چاہیئے۔

دوسرے اس بات پر مریض کا یقین تازہ ہونا چاہیئے کہ ہمارے اقوال اور ہمارے اعمال سے بڑھ کر ہماری نیت کی قدر و قیمت ہے۔ نیت کو علم و عمل پر برتری حاصل ہے۔ اجر و ثواب کا سارا دارومدار نیت اور اخلاص پر ہوگا۔ اس لیئے ہماری ہر دم یہ کوشش رہنی چاہیئے کہ نیت نیک ہو اور اعمال میں اخلاص ہو۔ اگر یہ ہے تو پھر ضرور ہمیں ثواب ملے گا۔ گو بظاہر حال کوئی ہماری رائے رد کر دے، ہمارے کام کو نظر انداز کر دے یا ہمارے ساتھ زیادتی کرے۔ اللہ تعالیٰ دلوں کے بھید جاننے والا ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ کس کا عمل کیسا ہے اور کس کی نیت کیسی ہے۔ اجر و ثواب آخرت میں اللہ تعالیٰ دے گا۔ اس لیے انسان کو دُنیا سے زیادہ آخرت پر نظر (باقی بر صفحہ ۴۳)